Pbl CC-7
Sem III

Paper-8

اردو مثنوی کا ارتقاء

مثنوی اس نظم کو کہتے ہیں جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے مقفیٰ ہوں اور ہر شعر کے دونوں مصرعوں کے قافیے الگ الگ ہوں۔ عبدالسلام ندوی اس سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"وہ (مثنوی) ایک مسلسل نظم ہے اور اس کے اشعار ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہوتے ہیں جس طرح زنجیر کی ایک کڑی دوسری کڑی سے وابستہ ہوتی ہے۔"

جہاں تک مثنوی کے مضامین اور موضوعات کا تعلق ہے تو اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ مذہبی واقعات، رموز تصوف، درس اخلاق، داستان عشق و محبت، رسومات شادی، مافوق الفطرت عناصر کے حیرت ناک کارنامے سبھی کچھ مثنوی کا موضوع ہے۔ مثنوی میں غزل کی سادگی و سوز و گداز، قصیدے کا جوش و خروش اور مرثیے کا درد بھی ملتا ہے۔ مثنوی کی اسی رنگارنگی اور ہر طرح کے مضامین و موضوعات کو سمیٹ لینے کی صلاحیت کی وجہ سے اہل نظر نے اس کی اہمیت و افادیت کا اعتراف کیا ہے۔

دکن اور شمال ہند دونوں ہی جگہ ابتدا ہی سے مثنوی نگاری کا رجحان ملتا ہے۔ دکن میں لکھی جانے والی ابتدائی مثنویوں میں میراں جی کی "شہادت الحق" اور "خوش نامہ"، نظامی کی "کدم راؤ پدم راؤ"، سید شاہ اشرف بیابانی کی "نوسرہار"، برہان الدین جانم کی "ارشاد نامہ"، "وصیت الہادی"، عبدل کی "ابراہیم نامہ"، ملا وجہی کی "قطب مشتری"، غواصی کی "سیف الملوک"، نصرتی کی "گلشن عشق"، ابن نشاطی کی "پھول بن" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان مثنویوں میں تصوف، عشق حقیقی، عشق مجازی، شہادت حسین، بادشاہ وقت کی تعریف وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔

شمالی ہند میں بارہویں صدی ہجری کی ابتدا سے ہی اچھی مثنویوں کے نمونے ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جعفر زٹلی کی "ظفر نامہ اورنگ زیب"، اور فائز دہلوی، شاہ مبارک آبرو اور شاہ حاتم کی مثنویاں ابتدائی دور سے تعلق رکھنے کے باوجود فنی اعتبار سے کافی اہم ہیں۔ ان مثنویوں نے میر، سودا اور بعد میں آنے والے دوسرے مثنوی نگاروں کے لئے راہ ہموار کی۔ میر اور سودا نے کئی مثنویاں لکھیں۔ یہ مثنویاں اس لحاظ سے اہم ہیں کہ اظہار و بیان میں کسی طرح کی کمزوری کا احساس نہیں ہوتا۔ میر کی مثنویاں مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ کافی متاثر کرتی ہیں۔ زبان و بیان کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ درد و سوز و گداز کی وجہ سے یہ مثنویاں واقعہ نگاری، جذبات نگاری اور اپنے عہد کے سماجی و معاشی حالات کی حقیقت پسندانہ انداز بیان ترجمان ہونے کی وجہ سے اردو کی بہترین مثنویوں میں شمار ہوتی ہیں۔

Scanned by CamScanner

اسی زمانے میں لکھی جانے والی مثنویوں میں میر اثر دہلوی کی "خواب و خیال" کافی اہم ہے۔ یہ مثنوی سراپا نگاری اور جذبات عشق کی عکاسی کی وجہ سے کافی متاثر کرتی ہے۔

مصحفی، انشا، رنگین اور نواب واجد علی اختر کی مثنویاں بھی خوبیوں کی وجہ سے متاثر کرتی ہیں۔ لیکن اس عہد سے تعلق رکھنے والی مثنویوں میں میر حسن کی سحر البیان کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی اور مثنوی کو حاصل نہیں۔ یہ مثنوی اپنی کردار نگاری، جذبات نگاری اور منظر نگاری کی وجہ سے اپنی آپ مثال ہے۔ زبان و بیان کی سادگی اور محاورات کی ندرت نے اس بے جان کہانی میں غضب کا حسن بھر دیا ہے۔ میر حسن نے سحر البیان کے قصے کو ایک کینوس کے طور پر استعمال کر کے اس پر اپنے عہد کے نقوش اجاگر کئے ہیں۔ اس طرح یہ مثنوی ایک آئینہ بن گئی ہے جس میں اس کے عہد کی پرچھائیاں صاف نظر آتی ہیں۔

سحر البیان کے بعد جس مثنوی کو شہرت ملی وہ دیا شنکر نسیم کی "گلزار نسیم" ہے۔ یہ مثنوی نہال چند لاہوری کے نثری قصے "مذہب عشق" کا منظوم ترجمہ ہے۔ گلزار نسیم میں لکھنوی شاعری کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ سحر البیان اور گلزار نسیم کے علاوہ بھی بہت سی مثنویاں لکھی گئیں۔ ناسخ، قاسم علی، خلق، مومن اور محسن کاکوروی کی مثنویاں بھی قابل ذکر ہیں۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب نے زندگی کے تمام شعبوں کی طرح شعر و ادب پر بھی گہرے اثرات چھوڑے۔ محمد حسین آزاد، اسمٰعیل میرٹھی اور مولانا حالی نے نئی مثنویاں لکھیں۔ مولانا حالی کی مثنوی "برکھا رت"، نشاط امید، حب وطن، مناجات بیوہ وغیرہ مثنویاں لکھیں۔ محمد حسین آزاد نے مباحثہ، طالب علم اور چور شامل، اور شبلی کی صبح امید وغیرہ میں زندگی کے مسائل اور وقت کے اہم تقاضوں کو صاف زبان میں بیان کیا گیا۔

علامہ اقبال کی گورستان شاہی، حفیظ جالندھری کی شاہنامہ اسلام اور سردار جعفری کی "جمہور" بھی قابل ذکر ہے۔ مثنوی کا سفر اپنے تمام تر امکانات کے ساتھ ابھی جاری ہے

Afsan Kazmi
PG. Depart of Urdu
K.C.C.

Scanned by CamScanner